بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ اشاعت (۷۶)

محق التقول فی مسئلۃ التوسل کا اردو ترجمہ

موسوم بہ

وسیلہ

دلائل کی روشنی میں

از

علامہ محمد زاہد الکوثری المصری

(۱۲۹۶ھ/۱۳۷۱ھ)

مترجم

مولانا افتخار احمد قادری مصباحی

شیخ الحدیث، دار العلوم قادریہ غریب نواز (ساؤتھ افریقہ)

المجمع الاسلامی

ملت نگر مبارکپور اعظم گڈھ یوپی

بار سوم ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء تعداد ۱۱۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(تعارفِ مصنّف)

علامہ محمد زاہد الکوثری

۱۲۹۶ھ ——— ۱۳۷۱ھ

علامہ محمد زاہد الکوثری ماضی قریب کی وہ عظیم شخصیت ہیں، جو محض اخلاص کی بنیاد پر دین کی خدمات انجام دیتے رہے۔ یہ سلف صالحین کی ایک ایسی یادگار تھے جنہوں نے علم دین کو کبھی ذریعۂ معاش نہ بنایا ——— بلکہ یہی علم دین ان کا اصل مقصد حیات رہا تھا۔ اور اس سے اعلیٰ مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔

سنہ ۱۲۹۶ھ میں ترکی کے مشہور شہر آستانہ میں آپ پیدا ہوئے، اور وہیں پرورش پائی۔ ترکی الاصل ہوتے ہوئے بھی آپ کی تمام تر علمی سرگرمیاں عربی زبان میں ظہور پذیر ہوئیں۔

۲۸ سال کی عمر میں علوم دینیہ کی تکمیل کی، اور اس کے بعد ہی تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا ——— اور بہت جلد میدانِ تدریس کے ایک ممتاز شہسوار کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔

ترکی حکومت کے امور دینیہ کے صدر مقرر ہوئے۔ اور اس منصب کی عظیم ذمہ داریوں کو ایک مدت تک انجام دیا۔

پھر ترکی سے مصر کی طرف ہجرت کی، مصر سے شام اور پھر شام سے قاہرہ واپس آگئے۔ اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

ترکی، شام اور مصر میں جہاں بھی آپ کا قیام رہا آپ طلبہ اور خلائق کے مرجع رہے۔ قاہرہ یونیورسٹی کے "کلیۃ الحقوق" کی طرف سے استاذ کے منصب کے لئے آپ کو پیشکش ہوئی۔ مگر آپ نے اپنی ناتوانی اور ضعف کے باعث قبول نہ فرمایا ——— اسی کلیہ کے ایک عظیم استاذ محمد ابوزہرہ "علامہ

محمد زاہد الکوثری کی علمی شخصیت سے بے پناہ متأثر تھے۔ استاذ ابوزہرہ نے اپنی ایک تعارفی تحریر میں علامہ محمد زاہد الکوثری کو ۱۲ مقامات پر امام سے یاد کیا ہے۔ اور ایک مقام پر تو ان کو "مُجَدِّد" بھی لکھا ہے۔
۱۳۷۱ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔ متعدد علمی اور تحقیقی یادگاریں چھوڑیں؛

"مَحْقُ التَّقَوُّلِ فِي مَسْئَلَةِ التَّوَسُّلِ" حضرت علامہ کوثری کا وہ بے نظیر رسالہ ہے جس میں پُرزور دلائل کے ساتھ وسیلہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ اسے ایک عرب عالم شیخ محمد رشید نے اِدارہ المجمع الاسلامی کو پیش کی اور ساتھ ہی اس کے ترجمہ کی فرمائش کی۔

اس موضوع پر ایک ایسے عالم کی تحقیق، جس کی خدمات کا دائرہ کئی ملکوں پر پھیلا ہوا ہو، اور جو علمی دنیا میں سند کی حیثیت رکھتا ہو ——— ظاہر ہے کہ یہ غیر معمولی علمی افادیت کی حامل ہوگی۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر یہ تحقیق پیش کی جا رہی ہے۔

اِدارہ المجمع الاسلامی مولانا اقبال احمد گجراتی مصباحی کا ممنون اور شکر گزار ہے، جن کے ایماء سے یہ رسالہ منظر عام پر آ رہا ہے۔ اور جو کسی بھی علمی خدمت کی پذیرائی اور عزت افزائی کرتے ہیں۔ اِدارہ ان کا اور ان جیسے سبھی احباب کا شکر گزار ہے، دعا ہے کہ ربِّ قدیر ان کو اپنی رحمت سے بہتر بن صلہ عطا فرمائے اور اس قسم کی خدمات کے مزید مواقع ادارہ کو فراہم کرتا رہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ آمین۔

یوم جمعہ مبارکہ، ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ | ادارہ المجمع الاسلامی، مبارکپور،
۱۷ / ۱۱ / ۸۹ء | اعظم گڈھ ——— یوپی ——— انڈیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَصَلَوٰتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلٰی سَیِّدِنَا
مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پایا جاتا ہے، جو سارے مسلمانوں کو اس جرم میں کافر قرار دیتا ہے کہ وہ قبروں کی زیارت کرتے ہیں، اور اللہ تعالےٰ کے حضور بزرگوں کا وسیلہ لاتے ہیں ــــــ

اس طرح گویا جمہور مسلمین بت پرستی کا شکار ہیں ــــ معاذ اللہ

اس لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ وسیلہ کے بارے میں ائمہ اسلام کی رائیں پیش کر دوں۔ کیوں کہ انہیں حضرات کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ توحید، شرک، اور بت پرستی کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ سکیں ــــ اور ہر ایک کو ایک دوسرے سے الگ الگ کرکے دکھا دیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس بات کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق کتاب و سنت کے دلائل پیش کر دیئے جائیں ــ اس طرح یہ مختصر رسالہ تیار ہو گیا، جسے "مَحْقُ التَّقَوُّلِ فِیْ مَسْأَلَۃِ التَّوَسُّلِ" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالےٰ کی مدد اور توفیق سے ہم گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ وسیلہ کے بارے میں ایک طبقہ کا مزاج ہے کہ وہ اس کو اتنا بڑا جرم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کے سبب مشرک قرار دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں اس طبقہ نے جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ حد درجہ لچر اور کمزور ہیں۔ اس کے برعکس وسیلہ کے حق ہونے کے جو دلائل ہیں وہ نہایت روشن اور واضح ہیں۔

ان لوگوں کی باتوں میں سچائی کہاں سے ہو سکتی ہے۔ ان کے خلاف کتاب و سنت کے بھی دلائل ہیں، عقلی دلیلیں بھی، اور امت کا متوارث عمل بھی۔

کتاب اللہ | قرآن کہتا ہے

وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (مائدہ ۳۵)	خدا کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ شخصیتوں کا بھی ہو سکتا ہے، اور عملِ صالح کا بھی، اور لفظ وسیلہ اپنے عموم کے باعث دونوں کو شامل ہے ـــــ بلکہ شریعت میں اس سے شخصیتوں ہی کا وسیلہ پہلے سمجھ میں آتا ہے۔ پھر اس سلسلہ میں یہ کہنا کہ صرف زندہ شخصیت کا وسیلہ لایا جا سکتا ہے۔ یہ اس کا عقیدہ ہو سکتا ہے جس کا خیال ہو کہ روحیں جسموں سے جدا ہونے کے بعد فنا ہو جاتی ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ حشر و نشر بھی کوئی چیز نہیں اور روحوں کے جسموں سے جدا ہو جانے کے بعد ان کے احساسات و ادراکات بھی فنا ہو جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات شرعی دلیلوں کے سراسر خلاف ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ آیت مذکورہ میں لفظِ وسیلہ شخصیتوں سے وسیلہ لینے کو بھی شامل ہے۔ یہ محض کسی عامی کی رائے نہیں، اور نہ ہی ایسا ہے کہ صرف وسیلہ کے لغوی عموم سے اسے اخذ کر لیا گیا ہے ـــــ بلکہ یہ معنی حضرت فاروقِ اعظم سے بھی منقول ہے۔ بارش کے لئے دعاء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ لیا۔ اور یہ الفاظ استعمال کئے۔

هٰذَا وَاللّٰهِ الْوَسِیْلَةُ اِلَی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ [1]	بخدا! یہ عباس رضی اللہ عنہ اللہ کے حضور وسیلہ ہیں۔

سُنّت | (۱) حضرت عثمان بن حُنیف سے مروی ہے۔

یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ۔	اے محمد! صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔

---

[1] استیعاب، از: ابن عبد البر

رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو بذاتِ خود یہ الفاظ بتائے ــــ ظاہر ہے اس میں شخصیت کا وسیلہ ہے، عمل کا نہیں۔ اس حدیث کو اس کے ظاہری معنیٰ سے پھیر کر کوئی دوسرا معنیٰ نکالنا ہوائے نفس کی پیروی میں تحریفِ کلمات کا ارتکاب کہلائے گا۔

رہی یہ بات کہ نابینا صحابی کی دعاء کی مقبولیت حضور کے دعاء کر دینے کی وجہ سے ہوئی۔ (جس کا روایت میں کوئی ذکر نہیں) یا خود انہیں صحابی کے دعا کرنے سے ہوئی۔ یہ ہماری بحث سے الگ بات ہے۔ ہماری دلیل تو صرف حضور سے مروی یہ دعاء ہے۔ اس روایت پر کوئی نقد بھی نہیں کر سکتا، کیوں کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ جس کی قدرے تفصیل ہم آگے دے رہے ہیں۔

---

(۲) حضرت فاطمہ بنتِ اسد رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ ۔	اے رب! یہ دعاء قبول فرما اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے۔

اس حدیث کے سارے راوی علاوہ روح بن صلاح کے ثقہ اور معتبر ہیں۔ روح بن صلاح کے بارے میں بھی حاکم نے فرمایا ہے ــــ "یہ معتبر اور ثقہ ہیں" ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ و معتبر راویوں میں شمار کیا ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وسیلہ میں زندوں اور مردوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اس روایت میں صاف لفظوں میں انبیاء کے جاہ و منزلت سے وسیلہ موجود ہے۔

(۳) حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں،

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ ۔	اے اللہ! سوال کرنے والوں کا تیرے یہاں جو حق ہے اس کے وسیلے سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اس میں سارے ہی مسلمانوں کا وسیلہ ہے۔ خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں،

اس حدیث کے ایک راوی ابن موفق ابن مرزوق سے روایت کرنے میں اپنی سند کے اندر منفرد نہیں ـــــ ساتھ ہی ابن مرزوق صحیح مسلم کے راویوں میں سے ایک ہیں۔ اور دوسرے راوی عطیہ کی کئی روایتوں کو ترمذی نے حسن کہا ہے (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

انبیاء و علماء خواہ زندہ ہوں، یا وصال کر چکے ہوں۔ ان کا وسیلہ لانا ہر دور میں امت مسلمہ کا وطیرہ اور طریقہ رہا ہے۔

(۴) استسقاء (بارش کی دعا) کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ ہیں۔

وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا۔	اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں۔

یہ الفاظ واضح کرتے ہیں کہ صحابہ نے خود صحابہ کا وسیلہ لیا ہے ـــــ اس روایت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا وسیلہ عیاں ہے۔

یہ جملہ اگرچہ خبر کی صورت میں ہے۔ لیکن انشائے توسل کے لئے لایا گیا ہے، اور یہ توسل حضرت عباس سے ہے۔ جملہ خبریہ کا دو ہی مقصد ہوا کرتا ہے۔ ایک تو یہ کہ مخاطب کو علم نہیں، مخبر اسے باخبر کرنا چاہتا ہے، جیسے کوئی کہے میں کل تمہارے گھر گیا تھا، مگر تم موجود نہ تھے ـــــ دوسرے یہ کہ مخاطب تو جانتا ہے، مگر مخبر اسے یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں بھی جانتا ہوں، جیسے کوئی کہے کل تم میرے یہاں آئے تھے مگر مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اور حضرت عمر کے قول (اے خدا! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں) میں خبر کے دونوں ہی معنیٰ ممکن ہیں۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ ان کے وسیلہ لانے کو بھی جانتا ہے۔ اور اس کو بھی جانتا ہے، کہ یہ لوگ اپنے توسل سے واقف ہیں۔ اس لئے حضرت عمر کی اس دعا سے انشائے توسل اور حضرت عباس کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ لانا ہی مقصود ہے۔

اور حدیث کے ٹکڑے کُنَّا نَتَوَسَّلُ میں بھی وہی کچھ ہے جو پہلے جملہ میں ہے،

اس کے علاوہ صحابی کا قول "كُنَّا نَفْعَلُ كَذَا" ـــ ہم ایسا ہی کرتے تھے ـــ اس مذکورہ قول کے زمانہ سے پہلے زمانہ میں کسی فعل کے ہونے کو بتاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابۂ کرام، حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں بھی، اور رفیق اعلیٰ سے جا ملنے کے بعد بھی عام رمادہ تک آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے ـــ اس لئے کسی کا یہ کہنا کہ یہ وسیلہ حضور کی ظاہری زندگی ہی تک محدود تھا، یہ خواہشات نفسانی کی پیروی اور الفاظ حدیث کی تحریف اور تاویل بلا دلیل ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے عہد میں استسقار کے لئے حضور کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ لیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے نزدیک انبیار سے ان کی وفات کے بعد وسیلہ لینا جائز نہیں۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ مطلب کسی طرح اس حدیث سے اخذ نہیں ہوتا ـــ بلکہ یہ ایک ناکام کوشش اور ناممکن خیال ہے ـــ اس قائل نے حضرت عمر کی طرف ایسی چیز منسوب کر دیا ہے جو ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ان کی زبان سے ایسے خیال کا اظہار تو بہت دور کی بات ہے۔

ایسا مطلب بنانا اپنی رائے سے ایک صحیح اور صریح حدیث کو لغو اور باطل ٹھہرانے کا مصداق ہوگا۔

ہاں! حضرت عمر کے اس عمل سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ جس طرح نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا وسیلہ لایا جا سکتا ہے، اسی طرح آپ کے زندہ رشتہ داروں کا بھی وسیلہ لانا جائز اور درست ہے۔ استیعاب از ابن عبد البر میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دور خلافت میں عام رمادہ ۱۷ھ کے اندر سخت قحط سالی ہوئی ـــ حضرت کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت عمر سے عرض کیا، امیر المومنین! بنی اسرائیل جب اس طرح کی قحط سالی

میں مبتلا ہوتے تو انبیاء علیہم السلام کے رشتہ داروں کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعا کرتے ——— حضرت عمر نے فرمایا ——— اچھا تو یہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا، آپ کے والد کے بھائی، اور بنو ہاشم کے سردار حضرت عباس موجود ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے قحط سالی کا شکوہ کیا۔

کیا اب بھی واضح نہ ہوا کہ حضرت عمر کا حضرت عباس کی شخصیت کا وسیلہ لانا، اس لئے نہ تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (معاذ اللہ) مردہ ہیں، انکا کو سننتے نہیں، اور خدا کے یہاں ان کا کوئی مرتبہ نہیں ؟ ——— معاذ اللہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ایک بڑا بہتان ہوگا۔

(۵) مالکِ دار سے مروی حدیث ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ قحط پڑا۔ حضرت بلال بن حارث نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ اور اس طرح عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کریں۔ لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ حضرت بلال بن حارث کو خواب میں زیارت نصیب ہوئی، حضور نے ان سے فرمایا ——— عمر کے پاس جاؤ! ان سے سلام کہو اور بشارت دیدو کہ اب بارش ہوگی۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ کا وسیلہ لانا اس حدیث سے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ——— یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ابن ابو شیبہ نے روایت کی ہے [1]

(۶) حضرت عثمان بن حنیف کی مذکورہ حدیث، جس میں خود نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دعائے حاجت کی تعلیم فرمائی ——— حضرت عثمان بن حنیف کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک کام تھا۔ اس روایت میں

---

[1] فتح الباری، ابن حجر عسقلانی،

نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا وسیلہ لایا گیا ہے، جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث کو طبرانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابوالحسن ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کیا ہے۔ (جس کی قدرے تفصیل آگے آرہی ہے)

محدث کبیر محمد عابد سندی نے وسیلہ سے متعلق روایات واحادیث کو ایک خاص جزء میں جمع کیا ہے۔ یہ مجموعہ بہت جامع اور کافی وشافی ہے۔

امت کا دستور عمل

آغاز اسلام سے اب تک ہر زمانہ میں انبیاء وصلحاء کا وسیلہ لینا امت مسلمہ کا دستور رہا ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ میں اتنا کچھ موجود ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) مناسک امام احمد میں خدا کی بارگاہ میں، نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے وسیلہ لینے سے متعلق ابوبکر مروزی کی روایت موجود ہے۔

(۲) شیخ حنابلہ ابوالوفا ابن عقیل نے "تذکرہ" میں مذہب حنابلہ کے مطابق سرکار سے توسل کا طویل الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

(۳) ہم نے "السیف الصقیل" کے تکملہ میں ان کے الفاظ بیان کر دیے ہیں۔

(۴) امام شافعی کا امام ابو حنیفہ کا وسیلہ لانا صحیح سند کے ساتھ تاریخ خطیب کے شروع میں مذکور ہے۔

(۵) حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی نے اپنے لا علاج پھوڑے سے شفایابی کے لئے امام احمد کی قبر پر ہاتھ پھیرا۔

حافظ ضیاء مقدسی نے اپنے استاد موصوف سے یہ سنکر اپنی کتاب "الحکایا المنثورہ" میں یہ واقعہ قلمبند کیا ہے ——— یہ کتاب آج بھی "ظاہریہ" دمشق میں محفوظ ہے۔ اور لطف یہ کہ خود مؤلف کے قلم سے لکھی ہوئی ہے ———

کیا یہ اکابر اسلام قبر پرست تھے؟۔

عقل

امام فخرالدین رازی، علامہ سعدالدین تفتازانی، علامہ سید شریف جرجانی اور ان جیسے بڑے بڑے ائمہ اسلام جن سے مشکل مسائل کا حل لیا جاتا ہے۔ یہ حضرات انبیاء، وصلحاء خواہ زندہ ہوں یا دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں، ان سے وسیلہ لینا جائز قرار دیتے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد کون ہوگا جو ان حضرات کو شرک کا داعی اور قبر کا پجاری قرار دے گا۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ امت مسلمہ نے ایمان وکفر اور توحید و دین کو انہیں حضرات سے سیکھا ہے۔ یہ بھی سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ دراصل ساری مدد مسبب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

اب اس مسئلہ پر ان عظیم شخصیتوں کے اقوال انہیں کے الفاظ میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

(۱) امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں ——— جو روحیں جسمانیات سے پاک ہو چکی ہیں۔ اور جسموں کی تاریکی سے آزاد ہو جانے کے بعد عالم بالا سے مل جانے کا شوق رکھتی ہیں۔ وہ روحیں عالم قدس اور عالم ملائکہ میں پہونچتی ہیں۔ ایسی روحوں کے اثرات اس دنیا کے حالات کے سلسلہ میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ مدبرات امر (کاروبار عالم کی تدبیر کرنے والی) ہیں ——— کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص اپنے استاذ کو خواب میں دیکھتا ہے۔ اور اپنی کوئی مشکل اس کے سامنے رکھتا ہے اور وہ استاذ اس کی مشکل کا حل پیش کر دیتا ہے۔

(۲) نیز امام رازی "المطالب العالیہ" ——— یہ کتاب اصول دین کی اہم اور مفید ترین کتاب ہے، کے مقدمہ ثالثہ، کتاب سابع کی دسویں فصل میں فرماتے ہیں ——— انسان کبھی کبھی اپنے ماں، باپ کو خواب میں دیکھتا ہے۔ اور ان سے بہت ساری چیزوں کے بارے میں سوالات کرتا ہے۔ اور وہ لوگ اس کو صحیح جوابات دیتے ہیں۔ اور کبھی تو وہ کسی ایسے دفینہ کی خبر دیتے ہیں جس کا کسی کو بھی علم نہیں ہوتا۔

(۳) پھر آگے فرماتے ہیں ——— اپنے بچپن میں جب میں زیر تعلیم تھا۔ اس

وقت یہ بحث پڑھتا تھا۔ حوادث لا اول لہا۔ واقعات جن کا آغاز نہیں ــــــ
میں اس بحث کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں ــــــ اس بحث کی بہترین دلیل یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کو حرکت کہتے ہیں۔ اس طرح حرکت کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود ہو، اور ازل کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ ہو۔ اس طرح دونوں کا ایک ساتھ وجود میں آنا لازماً محال ہوگا۔

پھر مصنف اس دلیل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اب تک جو کچھ بھی کہا گیا ہے۔ ان میں سب سے بہتر یہ دلیل ہے۔

(۱) میں نے سنا ہے کہ فردوسی نے جب سلطان محمود سبکتگین کے نام پر اپنا شہرۂ شاہنامہ مرتب کیا اور سلطان نے اس کا صلہ ادا نہ کیا، تو اس کے اندر ایک طرح کی بددلی پیدا ہو گئی۔ وہ اسی کشمکش میں تھا کہ اس نے رستم کو خواب میں دیکھا۔ رستم اس سے کہہ رہا ہے۔ تم نے اس کتاب میں میری بڑی تعریف کی ہے۔ اور میں مردہ ہوں، تم کو صلہ نہیں دے سکتا۔ ہاں! میں تمہیں ایک جگہ دفینہ کی نشاندہی کرتا ہوں۔ تم وہاں جاکر وہ خزانہ لے لینا ــــــ اس کے بعد فردوسی کہا کرتا تھا "مردہ رستم زندہ محمود سے کہیں زیادہ کریم ہے"۔

(۵) امام رازی اسی مقالہ ثالثہ کی پندرہویں فصل میں دلیلیں پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں ــــــ اس سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ روح کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد اس میں چیزوں کے معلوم کرنے کی قوت باقی رہتی ہے۔ یہ ایک ایسا اہم اصول ہے جس سے علم المعاد، حشر و نشر کے بارے میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

(۶) امام رازی اسی مقالہ کی اٹھارہویں فصل میں فرماتے ہیں ــــــ یہ اٹھارہویں فصل اموات و قبور کی زیارت سے استفادہ کے بیان میں ہے۔
پھر فرماتے ہیں ــــــ اس مسئلہ کے بارے میں ایک عظیم سلطان

بادشاہ محمد بن سام بن حسین غوری نے مجھ سے پوچھا۔ یہ بادشاہ اچھے اخلاق و سیر کا حامل تھا۔ اہل علم اور اہل دین و دانش سے اس کو گہرا لگاؤ تھا۔ اس نیک دل بادشاہ کے جواب میں، میں نے ایک رسالہ لکھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اس بحث کے چند مقدمات ہیں۔

پہلا مقدمہ اس کی دلیل ہم قائم کر چکے کہ جسموں کے مرنے کے بعد ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں —— اور یہ روحیں ان روحوں سے جو ابھی جسموں میں ہیں، بعض حیثیتوں سے زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔ اور بعض چیزوں میں یہ جسموں والی روحیں زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔ جسموں سے آزاد روحیں اس طرح زیادہ طاقتور ہوتی ہیں کہ یہ روحیں جب اپنے جسموں سے جدا ہو گئیں تو ان کا پردہ ہٹ گیا۔ اور ان کے لئے عالم غیب اور منازل آخرت کے سربستہ راز کھل گئے۔ اور ایسے بہت سے علوم جو دلائل سے معلوم ہوتے تھے۔ اب ان روحوں کو یہ علوم بداہت اور مشاہدہ سے معلوم ہونے لگے۔ کیوں کہ یہ روحیں جب تک جسموں میں تھیں۔ تو وہ گویا ایک برتن میں بند تھیں۔ جب بدن کی قید سے وہ آزاد ہو گئیں، تو ان میں ایک خاص قسم کی چمک اور درخشندگی پیدا ہو گئی۔ اس طرح ان آزاد ہونے والی روحوں کے اندر ایک خوبی اور کمال پیدا ہو گیا۔ اور جسموں سے وابستہ روحیں اس اعتبار سے زیادہ طاقتور ہیں کہ فکر و نظر کے ذریعہ اکتساب و طلب کے آلات ان روحوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور وہ روحیں ہر روز ایک نیا تجربہ حاصل کرتی ہیں۔ اور جسموں سے آزاد روحوں کو یہ چیزیں میسر نہیں۔

دوسرا مقدمہ روحوں کا اپنے جسموں سے شدید عشق اور کامل محبت جیسا تعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جو چیز بھی حاصل کی جاتی ہے، وہ صرف اس لئے حاصل کی جاتی ہے کہ اس سے جسم کو آرام، راحت اور فائدہ حاصل ہوگا —— جب انسان مرجاتا ہے۔ اور اس کی روح اس کے جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو یہ میلان و رجحان اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔ اور روح کا

جسم سے جو عشق تھا وہ بھی بحال رہتا ہے۔ اور پھر اس روح کا اپنے بدن کی طرف میلان اور جھکاؤ اور زیادہ ہو جاتا ہے ——— اس کی بنیاد ہمارا ثابت کردہ وہ نظریہ ہے، جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ نفسِ ناطقہ جزئیات کا ادراک کرتا ہے۔ اور نفسِ ناطقہ اپنے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد بھی اپنے اندر ادراک کی قوت باقی رکھتا ہے۔

اِن مقدمات کی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ جب انسان ایک طاقتور اور باثر روح والے انسان کی قبر پر جاتا ہے۔ اور وہاں تھوڑی دیر کے لئے رُکتا ہے تو اس کا نفس اس تُربت سے اثر پذیر ہوتا ہے ——— اور پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس میت کی روح کا اس تربت سے ہمیشہ تعلق قائم رہتا ہے۔ ایسے میں ان دونوں کے یکجا جمع ہونے سے اس زیارت کرنے والے شخص کو اس صاحبِ قبر سے ایک طرح کی ملاقات ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں روحیں ان دو صاف و شفاف آئینے کی طرح ہو جاتی ہیں، جو اس طرح رکھے گئے ہوں کہ شعاعیں چھَن کر ایک دوسرے کو پہونچ رہی ہوں۔ اللہ کے لئے خشوع و خضوع اور اس کے فیصلہ پر راضی ہونے کے باعث جو علوم و معارف اور اخلاق فاضلہ اس زائر کو ملتے ہیں، اس سے ایک نور نکل کر اس میت کی روح تک پہونچتا ہے۔ اور اسی طرح اُس میت کو جو روشن علوم حاصل ہوتے ہیں ان سے ایک نور نکل کر اس زائر کی روح تک پہونچتا ہے۔ اور اس طرح زیارت کرنے والے اور صاحبِ قبر کی روحوں کو اس زیارت سے ایک عظیم نفع اور زبردست سرور نصیب ہوتا ہے۔ یہی زیارتِ قبر کے مشروع ہونے کا اصل سبب ہے۔

اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس سے بھی کچھ زیادہ رازہائے سربستہ حاصل ہوتے ہوں، جن کا صحیح علم صرف وحدہٗ لاشریک کے پاس ہے"۔

یہ امام فخر الدین رازی کا نظریہ ہے جس میں انہوں نے واضح فرمایا کہ زیارت میں زائر اور صاحبِ قبر کے مراتب کے تناسب سے اخذ و استفادہ اور عطا و ارد

افادہ کا سلسلہ باہم پایا جاتا ہے۔

(۷) علامہ محقق سعد الدین تفتازانی شرح المقاصد کی دوسری جلد ص ۴۲ پر فلاسفہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں (یہ کتاب اصول عقائد کی بنیادی کتابوں میں ہے)

فلاسفہ کے یہاں جزئیات کے اِدراک کے لئے آلات و ذرائع میں صورت کا حاصل ہونا شرط ہے ـــــ جب بات یہ ٹھہری تو روح کے جسم سے جُدا ہوجانے اور ذرائع و آلات کے ناپید ہوجانے کے بعد نفس میں جزئیات کے لئے قوتِ اِدراک باقی نہیں رہ جاتی۔ کیوں کہ جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی نہ رہا۔

ہم جواب دیں گے ہمارے یہاں جزئیات کے ادراک کے لئے آلات و ذرائع شرط نہیں۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اِدراک نفس میں یا حواس میں حصولِ صورت، کا نام نہیں۔ یا پھر اس لئے کہ جزئی کی صورت کا نفس میں مرتسم ہونا محال نہیں ـــــ بلکہ اسلامی اصول سے تو یہی ظاہر ہے کہ جسم سے روح کے جُدا ہوجانے کے بعد بھی روح کو جزئی قسم کے اِدراکات، اور زندوں کے حالات کے جزئیات پر اطلاع ہوتی ہے۔ خصوصاً میت کا جن سے تعارف اور آگاہ ہونا ہے۔ ان کے حالات سے اس میت کو آگاہی ہوتی ہے۔ اسی لئے زیارتِ قبور سے فائدہ، حاصل کیا جاتا ہے۔ اور بھلائیوں کے حصول اور مصیبتوں کے اِزالہ کے سلسلے میں وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے مدد بھی لی جاتی ہے۔ اِس لئے روح کے جسم سے جدا ہوجانے کے بعد اس جسم اور اس خاک سے جہاں یہ جسم مدفون ہوا ہے، ایک طرح کا تعلق باقی رہتا ہے۔

جب یہ زیارت کرنے والا اس خاک پر آتا ہے۔ اور اس کی روح اس صاحبِ قبر کی روح کے قریب آتی ہے۔ تو دونوں روحوں کے درمیان ایک قسم کی ملاقات اور فائدہ رسانی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے ـــــ اس مسئلہ میں علامہ تفتازانی کی یہ تحقیق ہے۔ کیا علامہ تفتازانی بھی ان لوگوں میں سے ہوسکتے ہیں، جو توحید اور شرک کے درمیان تمیز نہیں رکھتے؟ ـــــ ایسا خیال

رکھنے والے ذہن کا بُرا ہو۔

(۸) مزید علامہ تفتازانی اسی جلد کے ص ۱۵۰ پر رقم طراز ہیں۔

الحاصل اولیائے کرام سے کرامات کا ظہور تقریباً اسی قدر ہے جتنا کرانبیائے کرام سے معجزات کا ظہور ہوا ہے۔

بدمذہب اگر اس کا انکار کرتے ہیں، تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، کیونکہ انہوں نے عبادت کے کاموں کی بجاآوری، اور برائیوں سے اجتناب میں سرگرمی و کوشش کے باوجود نہ تو اپنے اندر کسی کرامت کا مشاہدہ کیا، نہ اپنے کو برتر و بالا سمجھنے والے اپنے پیشواؤں کے بارے میں ایسا کچھ سنا۔ اس لئے سرے سے کرامات اولیاء ہی کا انکار کر بیٹھے۔ اور ان کی بدگوئی و غیبت پر اتر آئے۔ صالحین کی کھال چاک چاک کرنا، اور ان کا گوشت چبانا ہی مشغلہ بن گیا۔ ان کو جاہل صوفیہ کے لقب سے یاد کرنا، اور ان کو اہل بدعت میں شمار کرنا ہی شیوہ ٹھہرا۔ یہ اپنی مسلسل غیبت گوئی کی وجہ سے اس مثل کے مصداق ہیں ـــــــ اوسعتهم سبا و اودوا بالا بل۔ انہیں پتہ نہیں کہ حصول کرامت کی بنیاد، عقیدہ کی درستی، باطن کی صفائی، طریقت کی پیروی، اور حقیقت کی برگزیدگی پر قائم ہے"

اولیائے کرام کے سلسلہ میں یہ اس محقق کا ارشاد ہے، جن کا تصوف سے تعلق نہ تھا ـــــــ اولیائے کرام کی آبرو ریزی کرنے والوں کے لئے اس بیان میں عبرت کا سامان موجود ہے۔

(۹) علامہ سید شریف جرجانی حاشیہ مطالع میں فرماتے ہیں ـــــــ نبی صلے اللہ تعالے علیہ وسلم پر کتابوں کے شروع میں درود لکھنے، اور فیض یابی کے لئے عظیم ہستیوں کا وسیلہ لینے کی وجہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں ـــــــ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بڑی شخصیتوں کا وسیلہ بس ان کی ظاہری زندگی ہی تک محدود ہے۔ ان کے جسموں سے روحوں کے رخصت ہونے کے بعد توسل کی گنجائش نہیں۔

توہم جواب دیں گے۔ توسل اور فیض یابی کے لئے یہی کافی ہے کہ یہ پاکیزہ

ہستیاں اس دنیا کے اندر اپنے جسموں سے تعلق قائم رکھتے ہوئے اپنی زبردست ہمت و عزیمت کے ساتھ ناقص افراد کی تکمیل میں مصروف رہ چکی ہوں گی۔ بعدِ وفات بھی اُن کے اندر اس کا اثر باقی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مزارات کی زیارت زائرین کے لئے منبع انوار ثابت ہوتی ہے ــــــ جس کا اصحاب نظر مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔"

غرض اس مسئلہ میں کتاب و سنت، عملِ امت، دستور مسلمین اور ائمہ دین سب متفق و متحد ہیں۔ اس کے باوجود جو انکار و عناد پر آمادہ ہو وہ راہِ حق سے منحرف ہے۔

اب ہم ذیل میں اس سلسلہ کی احادیث و روایات پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے آیاتِ وسیلہ کا مفہوم واضح کرتے چلیں۔

---

(۱) يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ (مائدہ: ۳۵)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کی بارگاہ کے لئے وسیلہ لاؤ۔

اس میں شخصیت اور عمل دونوں کا وسیلہ مطلوب ہے۔ اس لئے کہ وسیلہ ان دونوں چیزوں کو شامل ہے ــــــ یہ استدلال نہ تو محض رائے سے ہے نہ صرف عموم لغوی کے تحت ہے۔ بلکہ اس کے حق میں واضح روایتیں بھی موجود ہیں'

ابن عبد البر نے "استیعاب" میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ حضرت عمر نے حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بارش ہونے کے لئے وسیلہ لیا تھا۔ اور ان کے وسیلہ سے بارش ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے فرمایا تھا۔

هٰذَا۔ وَاللّٰهِ۔ الْوَسِيْلَةُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالْمَكَانُ مِنْهُ۔	حضرت عباس اللہ کی بارگاہ کے وسیلہ، اور صاحب مرتبہ ہیں۔

حضرت عمر کے ارشاد کا ایک حصہ "اور فتح الباری" میں اس طرح آیا ہے ــــ

حضرت عمر نے فرمایا۔

وَاتَّخِذُوْہُ (یَعْنِی الْعَبَّاسَ) وَسِیْلَۃً اِلَی اللہِ۔	لوگو! ان (حضرت عباس) کو خدا کی بارگاہ کے لئے وسیلہ بناؤ۔

اگر کہا جائے کہ فاروق اعظم کے ارشاد "اِتَّخِذُوْہُ وَسِیْلَۃً" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس سے دعا کراؤ، تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں اس معنیٰ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عمر ان سے دعا کی درخواست تو پہلے ہی کر چکے تھے۔ جس پر انہوں نے آگے بڑھ کر دعا بھی کی۔ اس کے بعد حضرت عمر کے فرمان "اِتَّخِذُوْہُ وَسِیْلَۃً" کا یہی معنیٰ ہوگا کہ ان کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ۔ جیسا کہ خود حضرت عمر نے اپنے عمل سے لوگوں پر اسے واضح کیا تھا۔ وَلٰکِنَّ الْھَوٰی یُعْمِی وَیُصِمُّ۔

فتح الباری[1] میں منقول ہے۔ نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ لوگ آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے۔ اس میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ انہوں نے حضور سے درخواست کی ہو کہ حضور ان کے لئے بارش طلب کریں۔ اس لئے کہ دونوں شکلوں میں اس کا امکان ہے کہ خود صحابہ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا وسیلہ لاکر اللہ تعالےٰ سے بارش کے لئے دعا کرتے تھے۔ ابن رشید نے تو اپنے اس قول سے ساری بحث ہی کا خاتمہ کر دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ عنوان باب:

بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الْاِمَامَ الْاِسْتِسْقَاءَ۔	لوگوں کا امام سے استسقاء کے لئے درخواست کرنے کا باب۔

کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جب لوگ حضور کو وسیلہ بنا کر خود اللہ سے دعا کرتے اور بارش نازل فرماتا تو اگر خود حضور ہی کو دعا کے لئے آگے بڑھائیں تو یہ بدرجۂ اولیٰ درست اور مناسب تر ہوگا۔

---

[1] فتح الباری، ج ۲، ص ۲۲۰، ابن حجر عسقلانی۔

جو لوگ اِس بات کے قائل ہیں کہ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وسیلہ ہیں مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے دعا کرائی جائے۔ ایسے لوگوں کا خیال ان دونوں محققین کے قول سے غلط ہو کر رہ جاتا ہے۔ کہاں وسیلہ لینا، اور کہاں دعا کرانا۔

ہاں! کبھی یہ ہوتا ہے کہ جس کا وسیلہ لیا جاتا ہے وہ وسیلہ لینے والے کے لئے دعا بھی کرتا ہے۔ لیکن یہ توسل کا لغوی یا شرعی معنیٰ ہرگز نہیں۔

نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا وسیلہ حق ہے۔ درجۂ ذیل آیتِ کریمہ کے تحت تفسیر علامہ بغوی وغیرہ میں یہ روایت آئی ہے۔

(۲) وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ۔ (بقرہ، ۸۹)

یعنی اہلِ کتاب یہود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اہلِ کفر کے مقابلہ میں فتح مانگا کرتے مگر جب یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہ انکار کر بیٹھے۔

یہود پر جب کوئی دشمن حملہ آور ہوتا، تو یہ دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ صِفَتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ فَكَانُوْا يُنْصَرُوْنَ ○

اے اللہ! دشمن پر ہماری مدد فرما، اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو آخری زمانہ میں مبعوث ہونے والے ہیں۔ جن کی صفت ہم تورات میں پاتے ہیں۔ چنانچہ یہود اس طرح دعا کرتے تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوتی۔

اس سلسلہ کی مکمل روایتیں "الدر المنثور" از: سیوطی میں مرقوم ہیں۔

درجۂ ذیل آیت کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ بالکل واضح ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (نساء: ۱)

اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں، پھر آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت کا سوال کریں، اور آپ بھی ان کے لئے بخشش مانگیں تو یقیناً وہ لوگ اللہ تعالےٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اِس کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ حضور کا یہ وسیلہ آپ کی ظاہری زندگی ہی تک محدود تھا تو یہ بات بلا دلیل، بلکہ خواہشِ نفس کی پیروی ہوگی۔

مُطلق اپنے اِطلاق ہی پر ہو گا ۔ اس پر اہلِ حق کا اتفاق ہے ۔ مطلق کسی دلیل ہی سے مقید ہو گا ۔ اور اس جگہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس مطلق کو مقید بنا سکے ۔

اس آیت کے سلسلہ میں سارے مذاہب کے فقہا رحتیٰ کہ حنبلی حضرات بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آیت بعد وفات کے زمانہ کو بھی شامل ہے اور انبیا ر اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں ۔

حنبلی حضرات کے نزدیک زیارت قبرِ انور کے وقت توسل کے الفاظ کیا ہیں ؟ ——— یہ قدیم حنبلی بزرگ ابوالوفا ابن عقیل کی کتاب "التذکرہ" سے ہم نے ابنِ قیم کے قصیدہ نونیہ کے رد "السیف الصقیل" کے تکملہ میں ذکر کیا ہے ۔ ان کے الفاظ توسل میں مذکورہ آیتِ کریمہ اور سرکار سے توسل دونوں موجود ہیں ——— جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی آیتِ بالا سے توسل کا ثبوت فراہم ہوتا ہے ۔

عتبی کی حدیث میں بھی اس آیتِ کریمہ کو ذکر کر کے سرکار سے توسل کا واقعہ موجود ہے ۔ اس روایت کو محض زورِ قلم سے رد نہیں کیا جا سکتا ۔

اب ہم وہ روایات واحادیث پیش کر رہے ہیں ، جن میں وسیلہ واضح الفاظ میں موجود ہے ۔ سابقہ صفحات میں احادیث کی جانب جو اجمالی اشارہ کیا گیا ہے ۔ اب اس کی تفصیل کے لئے ہم یہاں کچھ احادیث اور آثار پیش کر رہے ہیں ۔ جن سے واضح طور پر وسیلہ لینے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے ۔

(۱) بخاری نے استسقار کے بیان میں روایت کی ہے ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب قحط پڑتا تو آپ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے بارش کا سوال کرتے ——— ان کے الفاظ یہ ہوتے ۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِیْنَا	اے اللہ ! ہم پہلے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش کا سوال کرتے تھے ، اور

وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا . قَالَ . فَيُسْقَوْنَ ہ	توہم پر بارش نازل کرتا تھا ۔ اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے وسیلے سے بارش کا سوال کر رہے

ہیں ۔ اے رب! ہم پر اس وسیلے سے بارش نازل فرما ۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد بارش ہوا کرتی

اِس حدیث میں شخصیت کا وسیلہ واضح لفظوں میں موجود ہے ۔ اِس روایت کے سلسلہ میں یہ کہنا کہ عبارت اصل میں یہ ہے ۔ "بِدُعَاءِ عَمِّ نَبِيِّنَا" یہ مطلب غلط اور بے بنیاد ہے ۔ اس کی کوئی دلیل نہیں ۔

اسی طرح یہ کہنا کہ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی وفات کے باعث آپ کا وسیلہ ترک کیا گیا ۔ اور حضرت عباس کا وسیلہ لیا گیا ——— یہ ایک ایسی بات ہوگی جو حضرت عمر کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گزری ہوگی ۔ بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برتر کے ہوتے ہوئے بھی کمتر سے وسیلہ لیا جا سکتا ہے ۔

اسی طرح بِعَمِّ نَبِيِّنَا ہ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو وسیلہ لیا گیا ہے ، وہ حضرت عباس کے رشتہ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ہی وسیلہ ہے ۔ اور حضور کے یہاں جو ان کا رتبہ تھا ، اس کا وسیلہ ہے ۔ جو درحقیقت نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا وسیلہ ہے ۔

حدیث کا دوسرا لفظ "کُنَّا" ۔ یہ صرف عہد نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص نہیں ، بلکہ اس کے بعد عام رمادہ تک کے زمانہ کو بھی شامل ہے ۔ اس لئے اس کو عہد نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ مقید کرنا بلا دلیل ہے ۔

ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما تو بخاری کی روایت کے مطابق ابو طالب کا یہ شعر بھی سنایا کرتے تھے ۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ

ترجمہ : آپ روشن وسفید رو ہیں ، آپ کے چہرۂ انور کے وسیلے سے بارش مانگی جاتی ہے ۔

بلکہ فتح الباری کے مطابق رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو یہ شعر پڑھنے کی فرمائش کی ہے ۔

اسی طرح حضرت حسان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اِس شعر میں وسیلہ سے کون انکار کر سکتا ہے۔

"فَسَقَى الْغَمَامُ بِغُرَّةِ الْعَبَّاسِ" (استیعاب)

اِن سب روایات واشعار میں یہ حقیقت بالکل آشکار ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شخصیت اور رب تعالےٰ کے یہاں ان کا جو رتبہ ہے اس کے وسیلہ سے خدا سے بارش کا سوال کیا گیا ہے۔

(۲) بیہقی وغیرہ نے مالک الدار سے روایت کی ہے۔ اس روایت میں صاف ہے کہ بلال بن حارث مُزنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عہد عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا وسیلہ لیا تھا۔

مالک الدار اضافت کے ساتھ، حضرت عمر کے مولیٰ اور خازن تھے۔ حضرت عمر نے ان کو بے سہارا لوگوں کا انتظام سونپا تھا۔ حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کو تقسیم کی ذمہ داری عطا کی تھی۔ اس لئے ان کا نام مالک الدار ہو گیا۔ (طبقات سعد واصابہ)

معارف بن قتیبہ میں ہے۔ حضرت عمر کے خدام میں ایک مالک الدار بھی تھے۔ حضرت عمر نے ان کو ایک گھر سونپا تھا، جس میں وہ لوگوں کو کچھ بانٹا کرتے تھے۔ وسیلہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ. فَجَاءَ رَجُلٌ اِلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ اللّٰہَ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوْا فَاَتَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ

عہد عمر میں لوگ قحط کے شکار ہوئے۔ ایک شخص نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کے لئے رب تعالےٰ سے بارش کی دعا فرما دیں لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب میں اس شخص کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا ـــــــ تم عمر کے پاس

فَقَالَ اِئْتِ عُمَرَ فَاقْرِئْهُ السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُ اَنَّهُمْ يُسْقَوْنَ - الحدیث	جاؤ - اور ان کو سلام کہو - اور خبر کردو کہ اب بارش ہوگی -

اس حدیث سے یہ چند باتیں ثابت ہوتی ہیں -

(۱) نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ان کی برزخی زندگی میں بارش کے لئے سوال کیا جاسکتا ہے -

(۲) رب تعالےٰ سے آپ دعا کر سکتے ہیں -

(۳) آپ سے اگر کوئی ایسی گزارش کرتا ہے تو آپ کو اس کا علم ہوتا ہے -

(۴) اس شخص کے اس طرز عمل پر کسی صحابی نے کوئی اعتراض نہ کیا - جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے -

یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں مختصراً ابو صالح ذکوان کے واسطہ سے روایت کی ہے - ---- اصابہ کی تصریح کے مطابق یہ حدیث ابن ابو خیثمہ نے اسی واسطہ سے تفصیل کے ساتھ روایت کی ہے ---- ابن حجر نے وضاحت کی ہے کہ ابن ابو شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث ابو صالح سمان کے واسطہ سے مالک الدار[۱] سے روایت کی ہے[۲]

ابن حجر نے مزید وضاحت کی ہے کہ مذکورہ خواب ایک دوسرے صحابی بلال بن حارث مزنی نے دیکھا تھا - جیسا کہ سیف نے "فتوح" میں روایت کی ہے -

پیارے نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعائے بارش کے سلسلہ میں یہ حدیث عمل صحابہ پر کھلی ہوئی دلیل ہے کیوں کہ اس پر کسی صحابی کو کوئی اعتراض نہ ہوا - جب کہ صحابہ اس سے باخبر اور آگاہ تھے - اس لئے کہ جو معاملہ امیر المومنین تک پہونچ جاتا ہے، وہ ڈھکا چھپا نہیں

---

[۱] مالک الدار کو بعض کتابوں میں مالک داری لکھ دیا گیا ہے، جو صحیح نہیں -

[۲] فتح الباری، ج ۲، ص ۴۹۸، ابن حجر عسقلانی -

رہ جاتا، معروف و مشہور ہو جاتا ہے۔ —— اس طرح یہ حدیث منکرین وسیلہ کی مکمل طور سے زبان بند کر دیتی ہے۔

(۲) اس سلسلہ کی ایک اور روایت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰے عنہ کی حدیث ہے۔ نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے بذاتِ خود ان کو ایک دعا ر بتائی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيۡكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحۡمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیۡ تَوَجَّهۡتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیۡ فِیۡ حَاجَتِیۡ هٰذِهٖ لِتُقۡضٰی لِیۡ حَاجَتِیۡ۔	اے اللہ! میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اور تیرے نبی محمد رحمت کے نبی کے وسیلے سوال کرتا ہوں۔ یا رسول اللہ میں آپ کا وسیلا لاکر اپنی اس ضرورت کرلئے کر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوا، تاکہ میری ضرورت پوری ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) نبی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے جاہِ عالی کا وسیلہ حق ہے

(۲) آپ کو دور سے پکارنا اور ندا دینا بھی حق ہے۔

منکرینِ وسیلہ کے لئے یہ روایت بھی تازیانۂ عبرت ہے۔ یہ حدیث بخاری نے تاریخ کبیر میں، ترمذی نے جامع دعوات میں، ابنِ ماجہ نے سنن۔ صلاۃ الحاجۃ میں روایت کی ہے —— اور ساتھ ہی ابن ماجہ نے اس روایت کے صحیح ہونے کی تصریح بھی کی ہے۔ نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں، ابو نعیم نے معرفۃ الصحابۃ میں، بیہقی نے دلائل النبوۃ میں، اور ان کے سوا اور بھی کئی محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں یہ روایت نقل کی ہے۔ —— اس کے علاوہ تقریباً پندرہ حفاظ و محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ متاخرین کے علاوہ ان محدثین میں یہ حضرات قابلِ ذکر ہیں۔ ترمذی، ابنِ حبان، حاکم، طبرانی، ابونعیم، بیہقی اور منذری ——

ترمذی کی سند اس طرح ہے۔ (ج ۲ ص: ۱۹۷، مطبوعہ رشیدیہ، دہلی)

حدثنا محمود بن غیلان حدثنا عثمان بن عمر حدثنا شعبہ عن

ابی جعفر عن عمارة بن خزیمة بن ثابت عن عثمان بن حنیف۔ (الحدیث)

ترمذی نے اس حدیث کو صحیح حسن غریب بتایا ہے۔ مزید فرماتے ہیں۔ یہ حدیث ہمیں صرف ابو جعفر خطمی کے واسطہ سے پہونچی ہے۔ ابو جعفر کے بارے میں ترمذی کے کسی نسخہ میں "وَهُوَ غَيْرُ الخطمی" اور کسی میں "لَيْسَ هُوَ الخطمی" کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ اور یہ سب ناقلوں کے تصرفات ہیں۔ کیوں کہ امام ترمذی کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی کے بارے میں یہ کہیں کہ "فلاں نہیں" اور اس کی تفصیل سے وضاحت نہ کریں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ابو جعفر جنہوں نے عمارہ سے روایت کی ہے یہ عمیر بن یزید خطمی ہی ہیں جو اولاً مدنی ثانیاً بصری ہیں۔ جیساکہ رجال کی مشہور مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں سے ظاہر ہے۔

اور ابو جعفر رازی متوفی ۱۶۰ھ جو شعبہ کے مشائخ میں سے ایک ہیں، انہوں نے عمارہ متوفی ۱۰۵ھ کا زمانہ قطعاً نہیں پایا —— اس لئے کہ ابو جعفر رازی کا سفر حجاز، عمارہ کی وفات کے ۹ سال بعد وقوع پذیر ہوا۔ اور شعبہ اپنی روایتوں میں قوی اور قابل اعتبار ہیں۔

ساتھ ہی طبرانی وغیرہ کے نزدیک حدیث کے دیگر واسطے بھی اصل سند سے ہی اس کی تائید کر دیتے ہیں کہ یہ ابو جعفر وہی خطمی ہیں جو متفقہ طور پر ثقہ ہیں۔ اس حدیث کی سند بحوالہ طبرانی "شفاء السقام" از: تقی سبکی میں مذکور ہے۔

ترمذی کی سند کے سارے ہی راوی ثقہ اور معتبر ہیں۔ اور ترمذی کی اس حدیث کو غریب کہنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ سند میں عثمان بن عمر بروایت شعبہ منفرد ہیں —— اور ابو جعفر بروایت عمارہ بھی منفرد ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں ہی راوی بالاتفاق ثقہ ہیں۔ اور ایسی کتنی صحیح حدیثیں ہیں، جن کے سلسلۂ رُواۃ میں کہیں کوئی راوی منفرد ہوتا ہے۔ جیساکہ حدیث "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" میں بھی یہ انفراد پایا جاتا ہے —— اسی حدیث کو امام ترمذی نے "حسن" بھی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو جعفر اور عثمان بن عمر کے بعد اس کے واسطے متعدد ہیں۔ اسی کو ترمذی نے صحیح بھی

کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راویوں میں صحت کے اوصاف مکمل طور پر موجود ہیں۔

(۴) حضرت عثمان بن حُنیف، کی حدیث جس میں ایک شخص کو نماز حاجت کے ساتھ مذکورہ دعاء کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس شخص کو امیرالمومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک کام تھا۔ اس نے وہی دعاء کی اور اس کا کام ہوگیا۔

اس مقام پر جس نکتہ کی نشاندہی کرنی ہے، وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا صحابی نے دعائے حاجت کی حدیث سے یہی سمجھا کہ یہ دعاء نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ ہے حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا وسیلہ، اور یہ ہے حضور کی رحلت کے بعد آپ کو پکارنا اور ندا کرنا ــــــ اور یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل، ــــ طبرانی نے معجم کبیر میں، یہ حدیث روایت کی ہے۔ اور کئی واسطوں سے اس کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اسی طرح ابوالحسن ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کا ذکر کرنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور ان سے پہلے منذری "الترغیب" میں، اور ان سے پہلے ابوالحسن مقدسی، اس حدیث کے صحیح ہونے کی تصریح کر چکے ہیں۔ ابونعیم نے بھی "المعرفۃ" میں اور بیہقی نے بھی دو واسطوں سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اور ان کی دونوں ہی سندیں صحیح ہیں۔

(۵) وسیلہ کی احادیث میں فاطمہ بنت اسد کی حدیث بھی ہے۔ جس میں خود رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے یہ الفاظ موجود ہیں۔

بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ۔	تیرے نبی کے اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے،

ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ طبرانی نے کبیر اور اوسط میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ اس کی سند میں روح بن صلاح ہیں۔ جن کو ابن حبان اور حاکم نے ثقہ قرار دیا ہے ــــــ ان کے علاوہ سارے ہی راوی صحیح،

بخاری کے رُواۃ سے ہیں [1]

اِس حدیث میں وفات پانے والے انبیائے سابقین علیہم السّلام کا وسیلہ کھلے الفاظ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

لَمَّا اقْتَرَفَ اٰدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ يَا رَبِّ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ ۔	حضرت آدم علیہ السلام نے لغزش کے بعد بارگاہِ خدا میں عرض کیا اے میرے پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مجھے بخش دے۔

حاکم نے "مستدرک" میں یہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے، اس حدیث کی سند صحیح ہے ـــــ مزید فرمایا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی یہ پہلی حدیث میں نے ذکر کی ہے ـــــ تقی سبکی نے "شفاء السقام" میں اس کی پوری سند ذکر کی ہے۔ طبرانی نے "اوسط" اور "صغیر" میں اس روایت کی تخریج کی ہے۔ اور ان کی دونوں روایتوں میں بعض ایسے راوی پائے جاتے ہیں جن سے ہیثمی واقف نہیں۔

ہاں! عبدالرحمٰن بن زید کو امام مالک نے اور ان کی متابعت میں کچھ اور حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر بھی ان پر کذب کی تہمت نہیں، بلکہ ان پر صرف وہم کا الزام ہے اور ایسے راویوں کی روایتیں چھان بین کے بعد قبول کر لی جاتی ہیں۔ حاکم نے ایسا ہی کیا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس حدیث کو امام مالک نے خود قبول فرمایا ہے جیسا کہ ابن حمید امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک نے ابو جعفر منصور سے فرمایا،

هُوَ وَسِيْلَتُكَ وَوَسِيْلَةُ اَبِيْكَ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔	محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارا بھی وسیلہ ہیں، اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں،

اب جب امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کو بطور دلیل پیش کر دیا تو عبدالرحمٰن راوی کے اوپر سے وہم اور قلتِ حفظ کا الزام ختم

---

[1] مجمع الزوائد، از ہیثمی۔

ہوگیا ـــــ کیوں کہ دوسرے الزام دینے والوں نے امام مالک کی نسبت ہی میں الزام دیا ہے۔ اس کے علاوہ عبدالرحمن بن زید ایسے محدث نہیں، جن کی روایت مطلقاً مسترد کر دی جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر امام نے "الام" اور مسند میں ان کی روایت کردہ حدیث سے (فضائل میں نہیں) بلکہ احکام میں استدلال کیا ہے ـــــ ایسی صورت میں حاکم نے مذکورہ حدیث کو اگر صحیح قرار دیا تو وہ باعث ملامت نہیں۔ یہ حدیث بلا شک و شبہ صحیح ہے۔ ہاں! جن کے سینے فضائلِ مصطفےٰ سے تنگ ہوں وہ تو اس کی صحت سے انکار ہی کرتے رہیں گے۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کا مذکور ارشاد قاضی عیاض نے "اَلشِّفَا بِتَعْرِیْفِ حُقُوْقِ الْمُصْطَفٰی" میں عمدہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے [1]

---

[1] سند اور متن حسب ذیل ہے۔

حدثنا القاضی ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الاشعری، وابوالقاسم احمد بن بقی الحاکم، وغیر واحد فی ما اجازونیہ، قالوا اخبرنا ابوالعباس احمد بن عمر بن دلھاث، قال حدثنا علی بن فہر، حدثنا ابوبکر محمد بن احمد بن الفرج حدثنا ابوالحسن عبداللہ بن المنتاب، حدثنا یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل حدثنا ابن حمید قال:

ناظر ابوجعفر امیرالمؤمنین مالکاً فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال لہ مالک: یا امیرالمؤمنین، لا ترفع صوتک فی ھٰذا المسجد، فان اللہ تعالیٰ ادب قوماً فقال، لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔ الآیۃ۔ ومدح قوماً فقال، اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ الآیۃ۔ وذم قوماً فقال: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ۔ الآیۃ۔

وان حرمتہ میتاً کحرمتہ حیاً۔ فاستکان لھا ابوجعفر، وقال، یا ابا عبداللہ، استقبل القبلۃ وادعوا، ام استقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

(بقیہ برص ۲۹)

(۱) اِس روایت کی سند میں جو ابن حمید مذکور ہیں وہ محمد بن حمید رازی ہیں؛ یہی راجح ہے، وہ نہیں جو امام تقی الدین سبکی کا گمان ہے۔ لیکن ان رازی کا حال

(بقیہ ص، ۲۸)

وسلم، فقال، ولِمَ تصرف وجهك عنه، وهو وسيلتك ووسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله تعالىٰ يوم القيمة، بل استقبله، واستشفع به فيشفعه الله قال الله تعالىٰ، وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ الاٰية۔ (الشفاء لقاضی عیاض المالکی م، ۵۴۵ھ ج ۲، ص، ۳۳، ۳۲ امع المطابع بمبئی)

سند کے بعض رجال سے متعلق مصنف نے گفتگو کی ہے۔

متن کا خلاصہ یہ ہے کہ سلطان ابو جعفر اور امام مالک کے درمیان مسجد نبوی میں مباحثہ ہوا۔ جس میں سلطان کی آواز بلند ہوگئی۔ تو امام مالک نے فرمایا، امیر المؤمنین اس مسجد پاک میں آواز بلند نہ کیجئے کیوں کہ اللہ تعالٰی نے کچھ لوگوں کی تادیب کی تو فرمایا، اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو (الآیۃ) اور کچھ لوگوں کی تعریف کی تو یہ فرمایا، بیشک جو لوگ اللہ کے رسول کے حضور اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں خدا نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے پرکھ لیا ہے۔ (الآیۃ) اور کچھ لوگوں کی مذمت کی تو یہ فرمایا، بیشک جو تمہیں حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں۔ (الآیۃ) ——— اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت بعد وصال بھی ویسے ہی ہے جیسے بحالِ حیات تھی۔ یہ سنکر سلطان ابو جعفر پر عجز و خشوع کی کیفیت چھاگئی اور امام مالک سے دریافت کیا۔ اے ابو عبد اللہ! میں قبلہ کی طرف رخ کرکے دعا کروں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف رخ کروں؟ امام مالک نے فرمایا، ان سے اپنا چہرہ کیوں پھیرئیے گا جبکہ خدا کی بارگاہ میں بروزِ حشر وہ آپ کے بھی وسیلہ ہیں اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے بھی وسیلہ ہیں۔ بلکہ سرکار ہی کی طرف رخ کیجئے۔ ان کی شفاعت طلب کیجئے کہ اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا ——— ارشاد باری ہے، اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو تمہارے پاس حاضر ہوں، اور اللہ سے بخشش مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کریں تو اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ اس روایت میں یوم القیامۃ کے لفظ سے تنکر کے لئے بحث کی گنجائش نکل آتی ہے۔ لیکن نفس توسل کا ثبوت اس سے عیاں طور پر فراہم ہوتا ہے۔ اور عبد الرحمٰن بن زید کے معتبر ہونے سے متعلق مصنف نے دیگر شواہد بھی فراہم کردئے ہیں۔ ۱۲ محمد احمد مصباحی اشرفیہ مبارکپور۔

ایسا نہیں جیسا کہ شمس بن عبدالہادی نے تصویر کشی کی کوشش کی ہے۔ شمس بن عبدالہادی نے ان کے ساتھ نارو اسلوک یہ کیا ہے کہ ان پر جو تنقیدیں ہوئی ہیں وہ سب جمع کر دی ہیں اور ان کی تعریفوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔

ابن عبدالہادی ان تین میں سے ایک ہیں جو عالم شباب میں ابن تیمیہ سے ملے اور ان سے فریب خوردہ ہو کر راہ مستقیم سے ہٹ گئے۔ جو دلائل ان کے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف پڑتے ہیں ان میں یہ صاحب جرح کا ذکر کرتے ہیں۔ اور تعدیل کو گول کر جاتے ہیں۔

یہ محمد بن حمید وہ ہیں جن سے ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابن ابو خیثمہ بیان کرتے ہیں۔ رازی کے بارے میں ابن معین سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ثقہ اور دانشمند ہیں۔ ان سے استناد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام احمد نے فرمایا: رَی میں اس وقت تک علم ہوگا جب تک محمد بن حمید ہوں گے ابن حمید وہ ہیں جن کی صاغانی اور ذہلی نے بھی تعریفیں کی ہیں ——— خلیلی "الارشاد" میں رقمطراز ہیں۔ ابن حمید علم حدیث کے عالم اور حافظ ہیں۔ احمد اور یحییٰ نے ان کو پسند کیا۔ امام بخاری نے فرمایا "فیہ نظر" ——— لیکن اس جیسی حدیث کے سلسلہ میں وہ متہم نہیں۔ لمبی عمر پا کر ۲۳۰ھ میں رحلت فرمائی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وصال کے وقت ان کی عمر بیس سال سے کم نہ تھی۔ جبکہ یہ لوگ اپنے امام کی "مسند" میں پانچ سال کے راوی کی روایت بھی قبول کرتے نظر آتے ہیں۔

(۲) یعقوب بن اسحاق کے بارے میں خطیب نے تاریخ میں کہا "لا باس بہ" ان میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) ابوالحسن عبداللہ بن محمد بن خطاب، اسماعیل قاضی کے بڑے اصحاب میں سے ایک ہیں۔ ان کو تقریباً ۳۰۳ھ میں مقتدر نے مدینہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ اور اس زمانہ میں غیر ثقہ عالم مدینہ منورہ کا قاضی نہیں ہو سکتا تھا۔

(۴) اور ان کے شاگرد محمد بن احمد بن فرج کی، سمعانی نے "الانساب" میں ذکر جنازی کے تحت توثیق کی ہے۔ ابن اثیر نے "اللباب" میں اس توثیق کو برقرار رکھا ہے۔

(۵) ابوالحسن فہری بھی یقیناً ثقہ ہیں۔ "العبر" از ذہبی میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔

(۶) ابن دلہاث ابن عبدالبر کے ثقہ مشائخ میں سے ایک ہیں۔ "تملہ" ابن بشکوال مطبوعہ مادریہ میں ان کا تذکرہ مرقوم ہے۔ راویوں کے جو تذکرے ہم نے اوپر پیش کئے ہیں، تقریباً اسی انداز سے سبکی نے "شفاء السقام" میں قلمبند کیا ہے۔

ابن عبدالہادی اس حدیث کے قبول کرنے سے صرف اس لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ روایت ان کے شیخ ابن تیمیہ کے تفردات کے خلاف پڑتی ہے۔

ابن عتاب کے اس حدیث کے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ قاضی اسماعیل مالکی کی "مبسوط" میں جو کچھ ہے اس کی تردید کر سکیں، جو ابن وہب بروایت مالک کے خلاف ہے۔ شیخ اسماعیل عراق کے ہیں۔ اور اہل مدینہ اور اہل مصر عراقیوں سے زیادہ امام مالک کے مسائل سے آگاہ ہیں۔ ساتھ ہی اسماعیل نے امام مالک تک کی سند کا ذکر بھی نہ کیا۔ بلکہ اسے مرسلاً بیان کر دیا ہے۔ مگر چونکہ یہ ابن عبدالہادی کی خواہش کے مطابق ہے۔ اس لئے انہوں نے بلا چون و چرا قبول کر لیا اور ابن عبدالہادی ان کی مدح سرائی میں اس قدر رطب اللسان ہیں، جیسے ان کی تعریف سند سے بے نیاز کر دے گی۔ ایسا لگتا ہے قاضی اسماعیل کے بارے میں داؤد اصفہانی نے جو ریمارک پیش کیا ہے اس پر ان کی نگاہ نہیں پڑی۔

ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہے کہ وسیلۂ آدم کے سلسلہ کی ایک ہی روایت نہیں بلکہ اس سلسلہ کی متعدد روایتیں اور بھی موجود ہیں، جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں ہم یہاں ان کی تفصیلات میں اس لئے جانا مناسب نہیں سمجھتے کہ مذکورہ احادیث سنجیدہ اور غیر متعصب ذہن کے لئے کافی ہیں۔

(۷) ابن ماجہ نے اپنی سنن کے "باب المشی الی الصلاۃ" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّآئِلِيْنَ عَلَيْكَ ۔ الحديث ؎

جو شخص نماز کے ارادہ سے گھر سے نکلے پھر یہ کہے اے اللہ سوال کرنے والوں کا جو تیرے اوپر حق ہے اس کے وسیلہ سے میں سوال کرتا ہوں۔

؎ مصنّف نے اس حدیث کی سند اور متن پر بحث کی ہے۔ اس لئے پوری حدیث مع سند پیش کی جاتی ہے۔

حدثنا محمد بن سعيد بن يزيد بن ابراهيم التستري، ثنا الفضل بن الموفق ابو الجهم، ثنا فضيل بن مرزوق، عن عطية، عن ابي سعيد الخدري قال، قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم،

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّآئِلِيْنَ عَلَيْكَ، وَاَسْأَلُكَ بِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا، فَاِنِّىْ لَمْ اَخْرُجْ اَشَرًا، وَلَا بَطَرًا، وَلَا رِيَاءً، وَلَا سُمْعَةً، وَخَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ، وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ، فَاَسْأَلُكَ اَنْ تُعِيْذَنِىْ مِنَ النَّارِ، وَاَنْ تَغْفِرَ لِىْ ذُنُوْبِىْ، اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ـ اَقْبَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ وَاسْتَغْفَرَ لَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ ۔ (سنن ابن ماجه ۔ باب المشي الى الصلوٰة ، ص ۵۶ ، مطبوعه مجتبائی دہلی)

یعنی جو اپنے گھر سے نماز کے لئے چلا اور مذکورہ دعا (جو واوین کے درمیان درج ہے) پڑھی، اس کی طرف اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے۔ اور اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مغفرت کی دعا کرتے ہیں ـــــ مذکورہ دعائے ماثور کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، سائلوں کے اس حق کے وسیلہ سے جو تیرے ذمہ کرم پر ہے، اور میں اپنے اس چلنے کے حق کے وسیلہ سے بھی تجھ سے سوال کرتا ہوں، کیوں کہ میں اترانے کے لئے نہیں نکلا ہوں، نہ ہی غرور کے سبب، نہ نمود و ناموری کے لئے، میں تو تیری ناراضی سے بچنے اور تیری رضا جوئی کے لئے نکلا ہوں تو میرا تجھ سے سوال یہ ہے کہ مجھے دوزخ سے پناہ دیدے اور میرے گناہوں کو بخش دے، بلا شبہ تیرے سوا کوئی گناہوں کی مغفرت کرنے والا نہیں"۱۲

شہاب بوصیری "مصباح الزجاجة فی زوائد ابنِ ماجة" میں فرماتے ہیں۔ اس سند کے راوی ضعیف ہیں ـــــ مثلاً عطیہ، عوفی، فضیل بن مرزوق اور فضل بن موفق[1]، یہ تینوں ضعیف ہیں۔ لیکن ابنِ خزیمہ نے اپنی صحیح میں فضیل بن مرزوق کے واسطہ سے حدیث روایت کی ہے تو ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن رزین نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن منیع نے بھی اپنی "مسند" میں اس طرح یہ حدیث بیان کی ہے۔

حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ مَرْزُوْق....

اس کے بعد پوری سند اور پوری روایت ذکر کی ہے ـــــ

علاء الدین مغلطائی "الاعلام شرح ابنِ ماجہ" میں فرماتے ہیں۔ یہ حدیث ابونعیم فضل ابن دکین نے "کتاب الصلوٰۃ" میں فضیل بن مرزوق سے انہوں نے عطیہ سے عطیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کی ہے۔ عطیہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس روایت میں تنہا نہیں، بلکہ ابوالصدیق بھی عبدالحکم بن ذکوان کی روایت میں ان کے ساتھ ہیں۔ اور وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ اگرچہ ابوالفرج نے اپنی "علل" میں ان پر تنقید کی ہے۔ اور ابنِ سنی نے "عمل الیوم واللیلۃ" میں ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں وازع نے بلال سے اس طرح روایت کی ہے۔ اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ۔

اِس سند میں نہ عطیہ ہیں، نہ ابنِ مرزوق، اور نہ ہی ابنِ موفق ہیں ـــــ جس سے ظاہر ہوگیا کہ عطیہ، ابن مرزوق، اور ابنِ موفق کو اگر ضعیف تسلیم بھی کر لیا جائے تو مذکورہ سندوں سے یہ امر واضح ہوگیا کہ وہ تینوں حضرات اس روایت میں منفرد

---

[1] یہ ابن عیینہ کے ماموں زاد بھائی ہیں ـــــ ابوحاتم نے ان کو صالح، ضعیف الحدیث کہا۔ اس کے علاوہ اور کوئی تضعیف نہ کی۔ ایک تو ابوحاتم کی جرح غیر مفسر ہے۔ دوسرے یہ کہ بُستی نے فضل بن موفق کی توثیق کی ہے ۱۲ ـــــ زاہد الکوثری،

نہیں، بلکہ اس کی دوسری تائیدات بھی موجود ہیں ـــــ علاوہ ازیں احمد بن منیع کے شیخ یزید بن ہارون بھی ابنِ مرزوق سے روایت کرنے میں ابن موفق کے شریک ہیں ـــــ اسی طرح فضل بن دکین، ابن فضیل اور سلیمان بن حیان وغیرہم نے بھی ابنِ مرزوق سے روایت کی ہے۔ علیہ پر تشیّع کا اِلزام ہے۔ لیکن امام ترمذی نے ان کی کئی روایتوں کو حسن قرار دیا ہے ـــــ ابنِ معین سے منقول ہے کہ وہ صالح ہیں۔ ابنِ سعد سے مروی ہے کہ ثقہ ہیں ـــــ ابنِ عدی نے فرمایا ہے ان کی روایتیں صالح ہیں۔ اور حضرت ابو سعید خدری کے نام کی صراحت کے بعد تدلیس کا احتمال نہیں۔ خصوصاً جبکہ اس روایت میں متابعت بھی ہے۔ اور امام مسلم کے نزدیک ابنِ مرزوق کی توثیق کا پلّہ بھاری ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذکورہ حدیث بلال رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بھی وارد ہوئی ہے ـــــ اس لئے یہ حدیث تمام تر تنقیدات کے باوجود پایۂ اعتبار اور درجۂ استدلال سے فروتر ہرگز نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کا معاملہ صحیح اور حسن کے درمیان ہوگا۔ کیوں کہ یہاں متابعات اور شواہد کثرت سے پائے جا رہے ہیں۔

ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ جرح کو تعدیل پر ترجیح ہوتی ہے ـــــ اس کے جواب میں عرض ہے کہ اوّلاً تو یہ قول ضعیف ہے۔ ثانیاً وہ بھی جرح کو تعدیل پر اس وقت ترجیح دیتے ہیں، جب دونوں میں اس طرح تعارض ہو کہ دونوں کا پلّہ بالکل برابر ہو۔ اس لئے جرح کی ترجیح کا معاملہ ثابت کرنے کے لئے پہلے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ یہاں جرح و تعدیل دونوں بالکل ہم پلّہ ہیں ـــــ اس کے بغیر مطلقاً جرح کی تقدیم کا فیصلہ صادر کرنا بہت دور کی بات ہے۔ اور زیر بحث حدیث کو تو حافظ عراقی نے تخریج احادیث احیاء، اور حافظ ابنِ حجر نے "امالی الاذکار" میں حدیث حسن قرار دیا ہے۔ اِس لئے اہلِ بدعت کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ مذکورہ اصول کا سہارا لے کر ان ثابت شدہ احادیث کو مسترد کرنے

کی جسارت کریں، جو ایسے راویوں سے مروی ہوں، جن کو محدثین کرام نے معتبر اور ثقہ قرار دیا ہے۔ کیوں کہ ان حضرات کے نزدیک ان راویوں کے ثقہ ہونے ہی کے فیصلہ کو ترجیح حاصل تھی۔ زیر بحث حدیث کو محدث عراقی نے "تخریج احیاء العلوم" میں اور محدث ابن حجر نے "امالی الاذکار" میں حدیث حسن قرار دیا ہے۔

حدیث مذکورہ میں حق سائلین کے وسیلہ سے دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور خدا سے سوال کرنے والوں میں خاص مقبول بندے بھی ہیں اور عام مسلمان بھی، اس لئے اس حدیث پاک سے عام مسلمین اور خاص مقبولان بارگاہ دونوں ہی سے وسیلہ لینے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

وسیلہ کے بعض منکرین اس حدیث سے متعلق یہ کہتے ہیں کہ "اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ" کے اندر "بحق" میں جو "با" ہے وہ توسل کے معنیٰ میں نہیں، بلکہ یہ وہ "با" ہے جو "سائل" کے مفعول ثانی پر آتی ہے۔

ان کے جواب میں عرض ہے کہ سوال دو معنیٰ میں آتا ہے۔ (۱) پوچھنا، دریافت کرنا، (۲) مانگنا، طلب کرنا، عطاء وبخشش چاہنا ——— سوال کے دو مفعولوں میں سے ایک پر جو "با" آتی ہے وہ اس وقت ہوا کرتی ہے جب سوال پوچھنے اور دریافت کرنے کے معنیٰ میں ہو ——— جیسے قرآن میں ہے۔

(۱) فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا۔ | تو اس کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ

سوال جب مانگنے اور دعا کرنے کے معنیٰ میں ہو تو "با"، "متوسل بہ" پر (اس پر جس سے وسیلہ لیا جائے) داخل ہوتی ہے۔ جیسا کہ خود ماثورہ دعاؤں سے اس کی شہادت فراہم ہوتی ہے اور اگر خواہی نخواہی یہاں بھی یہی کہا جائے کہ "با" مفعول ثانی پر داخل ہے تو حدیث کے الفاظ مذکورہ کا معنیٰ کیا ہوگا؟ "اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ" کا معنیٰ اگر یہ لیں کہ "اَسْأَلُكَ اِجَابَةَ الْمُسْلِمِيْنَ" یعنی میں تجھ سے سائلوں کی اجابت اور قبول دعا کا سوال کرتا ہوں ——— تو عرض یہ ہے کہ "حق" کا معنیٰ اجابت اور قبولیت ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ حق سائلین سے مراد مایستحقہ الخ

مَا يَسْتَحِقُّهُ السَّائِلُونَ الْمُتَضَرِّعُونَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَسُبْحَانَهُ۔	خدا کے فضل وکرم سے یہ فروتنی وعاجزی کرنے والے سائل جس چیز کے مستحق ہوں وہی حق سائلین ہے

جب یہ ثابت ہے کہ حق کا معنیٰ قبول واجابت نہیں تو بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ، أَسْأَلُكَ کا مفعول ثانی ہو ہی نہیں سکتا۔ اور کون حواس باختہ یہ بکواس کر سکتا ہے کہ نماز کو جانے والا یہ شخص سارے عام وخاص سائلان بارگاہِ الٰہی کا حق خود وصول کرنا چاہتا ہے اور اللہ سے اس کا سوال کر رہا ہے۔ منکرین وسیلہ کے خیالِ فاسد کی حقیقت اس وقت اور واضح ہو جاتی ہے جب بعد کے الفاظ بھی پیشِ نظر ہوں، اس جملہ کے بعد اس پر یہ جملہ معطوف ہے۔ "وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا الخ" ——— کیا یہاں بھی وہ کہیں گے کہ بندہ دعا کر رہا ہے کہ میں اپنے اس چلنے کا حق مانگتا ہوں؟۔

منکرین اپنے خیال فاسد کی تائید کے لئے مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ سوال ہے تو کوئی مسئول ومطلوب ہونا ضروری ہے۔ اور حقِ سائلین کے علاوہ حدیث میں اور کچھ مذکور ہی نہیں، جسے سوال کا مطلوب بنایا جا سکے۔ اس لئے وہی مطلوب ہے۔

ان کی یہ بات سخت مضحکہ خیز اور نہایت خندہ انگیز ہے گویا ان کو أَنْ تُعِيْذَنِيْ مِنَ النَّارِ...... نظر ہی نہیں آتا۔ حقِ سائلین اور اپنی پیادہ روی کے وسیلہ سے وہ یہی تو سوال کر رہا ہے کہ تو مجھے دوزخ سے پناہ دے، میرے گناہوں کو بخش دے۔ بصراحت حدیث میں موجود ہے۔ اور "أَسْأَلُكَ" کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔ اور تاکید کے لئے فعل کی تکرار کوئی نادر چیز نہیں۔ کلامِ عرب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں ——— تو فعلِ اخیر سے جو مطلوب ہے وہی پہلے دونوں فعلوں سے بھی مطلوب ہے۔ بالفرض یہ افعال تاکید والے نہ ہوتے تو بھی یہی مفعول اخیر سب کا مفعول بن جاتا۔ اور تمام افعال کا اسے معمول بنانے میں تنازع ہوتا، جو نحو اور زبان کا معروف قاعدہ ہے ——— الحاصل اس مفعولِ اخیر سے سابقہ افعال کا تعلق بہر تقدیر معتبر اور ملحوظ ہے۔

وسیلہ لینے کو ناجائز بنانے کے لئے کچھ لوگ یہ خیالِ فاسد قائم کرتے ہیں کہ غیر خدا

کو بارگاہِ خدا کے لئے وسیلہ بنانا غیر اللہ کی قسم کھانے کے مرادف ہے۔ اور غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے اس لئے توسّل بھی حرام ہے۔

اس خیال کے تحت توسل کی تردید کرنے والے درحقیقت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ خود سرکار مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا ہی توسل کے یہ الفاظ اور صیغے تعلیم فرمائے ہیں۔ اور غیر خدا سے وسیلہ لیتے ہوئے دعا اپنی امت کو بتائی ہے۔ سرکار کے بتائے ہوئے کلمات اور دعاؤں میں اشخاص کا وسیلہ موجود ہے —— افسوس کہ ان منکرین کو توسل اور قسم کے عظیم تفاوت کی بھی تمیز نہیں۔ کہاں غیر خدا کو بارگاہِ خدا میں وسیلہ بنانا، اور کہاں غیر خدا کی قسم کھانا؟

اس مقام پر ہم استعانت اور استغاثہ کے موضوع پر بھی مختصر گفتگو کرتے چلیں، تو کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ یہ موضوع بھی وسیلہ سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ بخاری کی حدیث شفاعت کے الفاظ یہ ہیں۔

اِسْتَغَاثُوْا بِآدَمَ ثُمَّ بِمُوْسٰی ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔	محشر کے دن لوگ حضرت آدم سے مدد مانگیں گے پھر حضرت موسیٰ سے پھر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فریاد کریں گے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ توسّل کے سلسلہ میں استغاثہ (فریاد خواہی) کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

رہی طبرانی کی روایت لَا یُسْتَغَاثُ بِیْ کے الفاظ، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ہیں۔ ہم نے الاستغاثہ میں ان کا حال تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ روایت صحیح حدیث کے مقابل نہیں ہو سکتی۔

اب رہی یہ حدیث "وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ" ایک تو اس حدیث کی تمام سندوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے دوسرے یہ کہ اس کا حقیقی اور غیر مجازی معنیٰ یہ ہوگا

عِنْدَ اسْتِعَانَتِکَ بِاَیِّ مُسْتَعَانٍ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ۔	کسی بھی مُستعان سے مدد لینے کے وقت، خدا سے مدد طلب کرو۔

اس معنی کے تحت حدیث پاک سے استعانت کی نفی نہیں ہوتی ۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی سے بھی استعانت کی جائے تو مستعانِ حقیقی کو فراموش نہیں کرنا چاہئے ۔ اور صاحبِ ایمان کی شان یہی تو ہوتی ہے کہ وہ اسباب سے مدد لینے کے وقت مسبّب الاسباب کو نہیں بھولتا ۔

یہ دیکھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جب انہوں نے بارش کے لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وسیلہ لیا تو اَللّٰھُمَّ فَاسْقِنَا ۔ کے الفاظ کہنا نہ بھولے ۔ اور یہی اسلامی ادب ہے ۔ اگر حدیث کا یہ معنی نہ لیا جائے تو معنی مجازی لینا ہوگا ۔ اور متعدد آیات و احادیث کے خلاف ہوگا ۔ ساتھ ہی حدیث کا لفظ اِذَا (جب) کُلَّمَا (جب جب) کے معنی میں نہیں ، بلکہ اہلِ منطق کے نزدیک یہ شرطیہ مہملہ کے الفاظ سے ہے ۔ اس کے مطابق عموم کے لئے اس سے دلیل قائم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ۔ اس پر مزید یہ کہ خطاب بھی واحد کے لئے ہے ۔ یعنی ایک صحابی خاص کو مخاطب کرکے سرکار نے یہ فرمایا ہے ۔ جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ خاص لوگوں کے لئے ہے ۔ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما بھی ایک خاص بندہ ہیں ۔ ایسے مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے لئے بہتر یہی ہے کہ یہ حضرات مسبّب الاسباب اللہ سے مدد مانگا کریں ۔

وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۔ | ہم تجھ سے ہی مدد مانگیں ۔

یہ استعانت آیت کے سیاق وسباق کے مطابق عبادت اور ہدایت کے سلسلہ میں ہے ۔ رب تعالےٰ سے مناجات کے دوران یہی مناسب بھی ہے ۔ اگر اس کا عام اور مطلق معنی لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ بندہ کسی بھی کام میں کسی بھی غیر خدا سے مدد نہ لے ، جب کہ ہر شخص ہزارہا دنیاوی معاملات میں برابر کسی نہ کسی سے مدد لیا کرتا ہے ۔ اس لئے آیت کے معنی مطلق کو لے کر اگر مطلقاً استعانت کو شرک کہیں تو تقریباً سارے بندگانِ خدا کو مشرک قرار دینا اور اسباب بنا کر معطل و بیکار کرنا لازم آئے گا ۔

ہمارے ایک مخلص دوست صاحبِ تصانیفِ مفیدہ علامہ شیخ محمد حسنین عدوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث موضوع وسیلہ پر متعدد کتابیں تالیف کی ہیں ۔ اور

ان میں فکر ابن تیمیہ سے متأثر افراد کے شبہات کا ازالہ کردیا ہے۔ ان کا انداز بیان بھی خوب ہے اور تحقیق بھی خوب ہے۔ ان کا مقام علم بالاتفاق ان لوگوں کے شیوخ المشائخ سے بھی درجوں بلند ہے۔

اصحاب قبور میں قوت سماعت اور قوت ادراک پائی جاتی ہے۔ اس سلسلہ کی خاصی تفصیل محدث عبدالحی لکھنوی نے "تَذْكِرَةُ الرَّاشِد" میں رقم کی ہے [1]

رہی یہ روایت "وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ" محققین کے نزدیک اس آیت میں اصحاب قبور سے مراد مشرکین ہیں ——— اس مقام پر بعض دیگر تحقیقات بھی ہیں۔ لہٰذا کسی کو کسی طرح کے مغالطے میں نہ آنا چاہیے۔

مذکورہ آیات واحادیث سے بالکل روشن ہو گیا کہ انبیاء، اولیاء اور صلحاء کے وسیلہ کا انکار کرنے والوں کے پاس کوئی معمولی دلیل بھی نہیں اور وسیلہ کو جائز ماننے والے اہل ایمان کو مشرک گردانا گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

رہے بعض عوام جو توسل وزیارت کے آداب کما حقہٗ ملحوظ نہیں رکھتے ایسوں کے لئے اہل علم پر فرض ہے کہ ان کو متانت وسنجیدگی سے سمجھائیں۔ صدیوں سے امت توسل وزیارت پر کاربند رہی۔ اس کے انکار کی بدعت ابن تیمیہ حرانی نے پھیلائی اُس وقت کے علماء نے اس بدعت کا قلع قمع کردیا تھا، اس پر بھرپور نکیر کی، اور متعدد تحقیقی رد بھی لکھے ——— لیکن ابن تیمیہ کی بلاؤں سے بے خبر اس سے متأثر افراد میں آج بھی یہ فتنہ پایا جارہا ہے ——— تفسیر روح المعانی میں آلوسی نے، اور اس

---

[1] اس موضوع پر زیادہ مبسوط اور نادر تحقیقات پر مشتمل یہ ایک رسالہ ہے۔ "حیاتُ الموات فی بیانِ سماعِ الاموات" [۱۲] از: امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ) جس میں ساٹھ احادیث اور صحابہ، تابعین، تبع تابعین ودیگر ائمہ دین کے تین سو سے زیادہ اقوال سے مسئلہ کا اثبات ہے۔ اور اس کی تکمیل میں مزید ایک مبسوط رسالہ "الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین" [۱۲] رقم فرمایا ہے [۱۲] ——— محمد احمد مصباحی اشرفیہ، مبارکپور،

اس معنیٰ کے تحت حدیثِ پاک سے استعانت کی نفی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی سے بھی استعانت کی جائے تو مستعانِ حقیقی کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ اور صاحبِ ایمان کی شان یہی تو ہوتی ہے کہ وہ اسباب سے مدد لینے کے وقت مُسبّبُ الاسباب کو نہیں بھولتا۔

یہ دیکھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جب انہوں نے بارش کے لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وسیلہ لیا تو اَللّٰھُمَّ فَاسْقِنَا۔ کے الفاظ کہنا نہ بھولے، اور یہی اسلامی ادب ہے۔ اگر حدیث کا یہ معنی نہ لیا جائے تو معنی مجازی لینا ہوگا۔ اور متعدد آیات واحادیث کے خلاف ہوگا۔ ساتھ ہی حدیث کا لفظ اِذَا (جب) کُلَّمَا (جب جب) کے معنیٰ میں نہیں، بلکہ اہلِ منطق کے نزدیک یہ شرطیہ مہملہ کے الفاظ سے ہے۔ اس کے مطابق خصم کے لئے اس سے دلیل قائم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس پر مزید یہ کہ خطاب بھی واحد کے لئے ہے۔ یعنی ایک صحابی خاص کو مخاطب کرکے سرکار نے یہ فرمایا ہے۔ جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ خاص لوگوں کے لئے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما بھی ایک خاص بندہ ہیں۔ ایسے مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے لئے بہتر یہی ہے کہ یہ حضرات مسبّبُ الاسباب اللہ سے مدد مانگا کریں۔

وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝	ہم تجھ سے ہی مدد مانگیں۔

یہ استعانت آیت کے سیاق وسباق کے مطابق عبادت اور ہدایت کے سلسلہ میں ہے۔ رب تعالےٰ سے مناجات کے دوران یہی مناسب بھی ہے۔ اگر اس کا عام اور مطلق معنیٰ لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ بندہ کسی بھی کام میں کسی بھی غیر خدا سے مدد نہ لے، جب کہ ہر شخص ہزار ہا دنیاوی معاملات میں برابر کسی نہ کسی سے مدد لیا کرتا ہے، اس لئے آیت کے معنیٰ مطلق کو لے کر اگر مطلقاً استعانت کو شرک کہیں تو تقریباً سارے بندگانِ خدا کو مشرک قرار دینا اور اسبابِ دنیا کو معطل وبیکار کرنا لازم آئے گا۔

ہمارے ایک مخلص دوست صاحبِ تصانیفِ مفیدہ علامہ شیخ محمد حسنین عدوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ بحث موضوع وسیلہ پر متعدد کتابیں تالیف کی ہیں۔ اور

ان میں فکرِ ابنِ تیمیہ سے متأثر افراد کے شبہات کا ازالہ کر دیا ہے۔ ان کا اندازِ بیان بھی خوب ہے اور تحقیق بھی خوب ہے۔ ان کا مقامِ علم بالاتفاق ان لوگوں کے شیوخ المشائخ سے بھی درجوں بلند ہے۔

اصحابِ قبور میں قوتِ سماعت اور قوتِ ادراک پائی جاتی ہے۔ اس سلسلہ کی خاصی تفصیل محدث عبدالحی لکھنوی نے "تذکرۃ الراشد" میں رقم کی ہے [1]

رہی یہ روایت "وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ" محققین کے نزدیک اس آیت میں اصحابِ قبور سے مراد مشرکین ہیں ——— اس مقام پر بعض دیگر تحقیقات بھی ہیں۔ لہٰذا کسی کو کسی طرح کے مغالطے میں نہ آنا چاہیئے۔

مذکورہ آیات و احادیث سے بالکل روشن ہو گیا کہ انبیاء، اولیاء اور صلحاء کے وسیلہ کا انکار کرنے والوں کے پاس کوئی معمولی دلیل بھی نہیں اور وسیلہ کو جائز ماننے والے اہلِ ایمان کو مشرک گرداننا گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

رہے بعض عوام جو توسل و زیارت کے آداب کا حقہ ملحوظ نہیں رکھتے ایسوں کے لئے اہلِ علم پر فرض ہے کہ ان کو متانت و سنجیدگی سے سمجھائیں۔ صدیوں سے امت توسل و زیارت پر کاربند رہی۔ اس کے انکار کی بدعت ابنِ تیمیہ حرانی نے پھیلائی اُس وقت کے علماء نے اس بدعت کا قلع قمع کر دیا تھا، اس پر بھرپور نکیر کی، اور متعدد تحقیقی رد بھی لکھے ——— لیکن ابنِ تیمیہ کی بلاؤں سے بے خبر اس سے متأثر افراد میں آج بھی یہ فتنہ پایا جا رہا ہے ——— تفسیر روح المعانی میں آلوسی نے، اور اس

---

[1] اس موضوع پر زیادہ مبسوط اور نادر تحقیقات پر مشتمل یہ ایک رسالہ ہے۔
"حیاتُ الموات فی بیانِ سماع الاموات" ۱۲ از: امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ — ۱۳۴۰ھ)
جس میں ساٹھ احادیث اور صحابہ، تابعین، تبع تابعین و دیگر ائمہ دین کے تین سو سے زیادہ اقوال سے مسئلہ کا اثبات ہے۔ اور اس کی تکمیل میں مزید ایک مبسوط رسالہ "الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین" ۱۲ رقم فرمایا ہے ۱۲ ——— محمد احمد مصباحی اشرفیہ، مبارکپور۔

تفسیر میں تصرف کرنے والے ان کے بیٹے نے اس موضوع پر بعض غلط بحثیں لکھ ڈالی ہیں۔ مذکورہ دلائل ان کی تردید کے لئے کافی ہیں۔

یہ دونوں ہی باپ بیٹے بعض مسائل میں اضطراب و انتشار کا شکار نظر آتے ہیں۔ یہ ان کے اپنے پڑوسیوں اور اپنے بعض اساتذہ سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے یہاں ان سب باتوں کی تفصیل کا موقع نہیں۔

خیرُ الخلق محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے وسیلہ لینے میں امت مسلمہ کا دستور کیا رہا ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے امام ابو عبد اللہ بن نعمان محمد بن موسیٰ تلمسانی مالکی متوفی ٦٨٣ھ کی کتاب "مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام" کا مطالعہ کیا جائے ——— یہ کتاب "دار الکتب المصریہ" کے نوادرات سے ہے۔[1]

یہ تحریر انصاف پسند دل کے لئے کافی ہے۔ وَمِنَ اللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَالْھِدَایَۃُ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔

---

[1] اس موضوع پر مولانا عبد الحکیم شرف قادری نے بھی ایک سنجیدہ، متین اور بہت تحقیقی رسالہ سپردِ قلم کیا ہے۔ جس میں منکرین کے پیشواؤں کی کتابوں سے بھی الزام قائم کیا ہے ——— "ندائے یا رسول اللہ" کے نام سے یہ رسالہ مجلس اشاعت طلبہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ یوپی (٢٧٦٤٠٣) کی طرف سے دوبارہ شائع ہوا ہے۔ اور مولانا موصوف نے بعد میں مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت "از بلال بن حارث مزنی صحابی" پر منکرین کی جرح مبہم کا بھی بھرپور تعاقب کیا ہے۔ مکمل بحث عربی میں "حول حدیث التوسل" کے نام سے بھی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے شائع ہوئی ہے ——— محمد احمد مصباحی